OPEN ACCESS
SUJRIS
﴿ Swat University Journal of Religious & Islamic Studies ﴾
ISSN: 2959-5509
www.sujris.uswat.edu.pk

SUJRIS
Vol.:3, Issue: 2, Jul - Dec 2025 PP: 50-64

تفسیر مفاتیح الغیب (سورۃ البقرہ) میں امام الرازی کے "شذوذو تفردات"

Imam Razi's distinctive interpretations in his Tafseer Mafatih Al Ghayeb in surah Al Baqarah

Dr. Farida Begum
Lecturer Women University Mardan
farinadim80@gmail.com

Javeria
MPhil Scholar Women University Mardan
iki.javeria@gmail.com

Abstract

Quran is a source of guidance and practical way of life till eternity. It is an obligation upon knowledgeable people to discharge the responsibility of interpreting this Book for the convenience of the people of their respective era. So as to continuously explain the meaning and message of the Quran it was necessary that the science of interpretation i.e. the exegesis had to be developed. The Muslim Scholars did manage the commentaries of the Quran. Amongst such genius people Imam Fakhr- ud- Din- al Razi (born 1149, Ray, Iran died 1209, Herat, Afghanistan) stands out to be the most prominent. He has written a detailed exegesis of the Quran known " Mafatih Al Ghayb"(The Keys to Unknown) , Tafseer Al Kabeer or "The Great Commentary". Imam Fakhr- ud- Din Razi is a staunch supporter of Sunni School of thoughts. He has followed logical argumentation in his exegesis. Verses with similar subject of matter are discussed in the same context, identifying several problems and finally defending the belief of Sunni school, and criticizing the stances of others. There are some places where Imam Al Razi has explained some Verses of the Quran while moving away from the consensus opinion of the related scholars. According to some experts of Tafsir , its caused harm to the status of " Mafatih Al Ghayb". The present article analysis some verses of Surah Al Baqarah where Imam Al Razi has a different opinion from the public scholars.

Keywords: *staunch, stances, consensus, exegesis, logical, eternity.*

CC BY

شذوذ و تفردات:

شذوذ ہر شے میں منفرد، ندرت ،قلّت، مخالفت،اور مفارقت کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ اکیلا اور نایاب ہونا، متفرق اور الگ الگ ہونا، جماعت سے علیحدگی، تنہارہ جانا۔

" الشذوذ: الانفراد فی کلِّ شَیءٍ، یقالُ شَذَّ یَشِذُّ شَذًّا وَ شُذُوذًا ایْ انفردَ عَنِ الجَمَاعَةِ ،وَ کُلَّ شیءٍ منفرد فَهُوَ شَاذ، وَ یاتی الشذوذ بمعنیَ الندرةِ والقَلَةِ،یُقَالُ: شَذَّ الشیءُ ایْ نَدَرَ عَنِ الغَالِبِ وَ خَرَجَ عَنهُ ، وَ مِن معانی الشذوذ: المخالفَةِ والمفارقَةُ[1]"

امام غزالی نے شاذ کی تعریف یہ کی ہے:

الشاذ عبارة عن الخارج عن الاجماع بعد الدخول فیه۔ "

شاذ وہ قول یا مؤقف ہے جو اجماع کا حصہ ہونے کے بعد علیحدہ ہو گیا ہو"۔آمدی بھی اس سے ملتی جلتی تعریف کرتے ہیں۔ان کے مطابق:

الشاذ هو المخالف بعد الموافقه۔[3] "

شاذ ایسا مخالف قول یا مؤقف ہے جو موافقت کے بعد، نہ کہ موافقت سے پہلے اختیار کیا گیا ہو۔"[2]

تفردات تفرد کی جمع ہے۔ تفرد لغوی اعتبار سے تَفَرَّدَ، تفرُّدًا متفرِّد، اسم مفعول کا صیغہ ہے۔[4] فرد بالامر والرای " سے ماخوذ ہے، جس کے معنیٰ ہیں کسی معاملہ میں الگ اور انفرادی رائے رکھنا۔ تنہا ہونا، یکسو ہونا، کنارہ کشی اختیار کرنا[5]۔

اصطلاح میں تفرد کی تعریف یہ ہے کہ "کسی متبحر عالم کا جمہور علماء سے مجتہد فیہ مسئلہ میں انفرادی رائے رکھنا، یا اپنا مذہب چھوڑ کر کسی بھی مسئلہ میں دوسرے کے مذہب یا مرجوح رائے پر عمل کرنا۔اہل علم نے علماء کی شاذ آراء سے اور تفردات سے عدم تعرض کا حکم دیا ہے۔ مطلب یہ کہ مستند علماء کی ایک بڑی تعداد کی رائے ایک ہو۔جب کہ ایک دینی عالم کی رائے ان جمہور علماء سے مختلف ہو۔علامہ طاہر اسلام صاحب کے مطابق شذوذ اور تفرد میں فرق ہے۔

ان کے مطابق اس کا تعلق قائل سے ہے؛ اگر تو آدمی بدعتی ہے تو اس کا مخالف دلیل شاذ ہوگا اور اگر اہل سنت عالم ہے تو اس کا مرجوح مؤقف تفرد شمار ہوگا اور اسے بدعتی قرار نہیں دیا جائے گا کیوں کہ اصلاً وہ اہل سنت کے طریق استدلال پر ہے لیکن اس مسئلے میں فہم کی غلطی کی بناپر غلط مؤقف اپنا لیا ہے"۔[6]

تفرد پسندی کی شرعی حیثیت:

تفرد اختیار کرنے والے عالم کی امانت و دیانت، تقویٰ اور علم و فہم، علماءِ اُمت کے ہاں ثابت ہو، علامہ شامیؒ کے مطابق:

" العالم الذی یعرف معنی النصوص والاخبار، وہو من اہل الدرایة یجوز له ان یعمل علیها وإن کان مخالفا لمذہبه قلت: لکن ہذا فی غیر موضع الضرورة۔

ایسا عالم جو شریعت کی تمام نصوص، احادیث رسول ﷺ کے مطالب کا جاننے والا ہو اور دلائل کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہو، تو اسے اپنے رائے اور اجتہاد پر عمل کرنا جائز ہے، اگرچہ یہ اجتہاد اس کے اپنے مذہب کے برخلاف ہو، لیکن یہ اجازت یا حکم اس کے لئے تب ہوگا کہ وہ مواقع ضرورت کے نہ ہوں"[7]۔"ایسے عالم کا کسی مسئلہ میں اپنے مذہب سے اس طور پر اعراض

کرنا کہ وہ اپنی اجتہادی قوّت کے ذریعے سے نصوص و دلائل پر غور و فکر کرنے کے بعد کسی مجتہد فیہ مسئلہ میں اپنے مذہب کے مقابلہ میں کسی غیر مذہب کی رائے کو فوقیت دے، تو ایسے موقع پر اسے دلائل کی روشنی میں اپنی ذات کی حد تک محض دلائل کی روشنی میں غیر مذہب پر عمل کرنے کی اجازت ہے۔ اسے صرف اپنی ذات تک محدود رکھے۔ محدث شاہ ولی اللہ رحمۃاللہ علیہ نے اس کی تعریف یوں کی ہے:

و ان لم يتكامل له الادوات كما يتكامل للمجتهد المطلق، فيجوز لمثله اَن يلفق من المذنبين اِذا عرف دليلهما۔

اور اگر اس (مجتہد) میں وہ شرائط مکمل طور پر نہ پائی جائیں، تو اس قسم کے مجتہد کے لئے دو مذاہب کے مابین تلفیق کی اجازت ہوگی، اس شرط پر کہ یہ مجتہد دونوں مذاہب کے دلائل سے خوب واقفیت رکھتا ہو۔"[8] لیکن ایسی شخصیت کے کسی ایسے قول یا ذاتی رائے کو صرف تفرد سے تعبیر کیا جائے گا اور اسی طرح صرف اس مجتہد کے لئے اس پر عمل کرنے کی اجازت بھی ہوگی لیکن دوسروں کے لئے عمل کی گنجائش نہیں ہوگی۔ لیکن اگر کسی شخص میں مذکورہ شرطیں نہ پائی جائیں، تو اسے صرف اپنی قول یا رائے کے مطابق عمل کرنے کی اجازت نہ ہوگی، اس لئے اس کا یہ تفرد یا ذاتی رائے دیانت داری نہیں ہوگی بلکہ تشہی اور من مانی ہوگی۔ اگر نفسانی خواہش کی وجہ سے اختیار کیا گیا ہو تو حرام کے درجہ میں ہوگا اور ناجائز بھی۔ بلکہ ایسا کرنے سے ایمان کے ضیاع کا خطرہ ہے۔ البتہ اگر بنیاد نفسانی خواہشات کی اتباع نہ ہو تو ایسا شخص صرف اپنے حد تک اس ذاتی رائے پر عمل کر سکتا ہے۔ جو مطلوبہ معیار کا حامل ہو۔

اصولی طور پر کسی مسئلے کی تائید میں آراء و موافقت کی کثرت اس کے صواب و درست ہونے کا مضبوط قرینہ ہے۔ چاہے متعلقہ مسئلے کا تعلق دینی امور سے ہو یا دنیاوی امور سے ہو عقلِ انسانی اس معیار کو قبول کرتی اور مختلف متنازعہ فیہ امور میں اس اصل سے کام لیتی ہے۔ اصولِ فقہ و حدیث میں اسے تقریباً مسلمہ امر تصوّر کیا جاتا ہے۔ "تاہم اہلِ اصول کے نزدیک یہ بھی مسلم ہے کہ کسی رائے کو اختیار کرنے والوں کی کثرت اس کے صواب و برحق ہونے کی قطعی اور شافعی دلیل نہیں ہے"۔[9] اسی طرح "تفرد یا اپنی رائے کسی بھی عالم دین کی مجبوری ہوتی ہے اس کا عذر ہوتا ہے۔ اسی لئے اس کو اپنے قول یا تفرد پر عمل کرنے کی اجازت دی جاتی ہے، اس بات پر اس کی سرزنش نہیں کی جائے گی۔"[10]

امام رازی رحمہ اللہ اور تفسیر "مفاتیح الغیب" کا مختصر تعارف:

امام فخر الدین کا نام محمد، لقب فخر الدین اور کنیت ابو عبد اللہ یا ابوالفضل ہے۔ امام رازی نے اپنی تصانیف میں اس بات کی وضاحت کی ہے کہ وہ حضرت عمر فاروقؓ کی اولاد سے ہیں آپ (544-604ھ) ایران میں بمقام "رے" پیدا ہوئے۔ امام صاحب بیک وقت فقیہ، متکلم، فلسفی، طبیب اور مفسر تھے۔ فقہی مسالک میں آپ کا تعلق شافعی مسلک سے تھا اور فلسفہ اور کلام کے حوالے سے اشعری مسلک سے تعلق رکھتے تھے اسی وجہ سے آپؒ تمام عمر معتزلہ کے عقائد اور افکار کے خلاف نبردآزما رہے۔ آپؒ نے عربی زبان میں مفاتیح الغیب المعروف بہ تفسیر کبیر کے نام سے ایک تفسیر لکھی جو تفسیر بالروایۃ والدرایۃ والاشارۃ تینوں اقسام کو شامل ہے۔ یہ قرآن کریم کی ایک مفصل اور معقولاتی تفسیر ہے۔ جس میں تقریباً ہر آیت پر امکانی سوالات قائم کر کے ان کے جوابات تحریر کئے گئے ہیں۔ جس طرح قرآن کریم تمام علوم کا منبع ہے اسی طرح یہ تفسیر بیشتر علوم کا خزانہ ہے۔ تفسیر کبیر قرآن کے مفاہیم اور مطالب کو سمجھنے کے لئے بنیادی اہمیت کی حامل ہے اور قاری کو قرآنی احکام اور مسائل کے استنباط

کے لئے مختلف پہلوؤں اور اندازِ فکر کی نشاندہی کرنے میں مدد فراہم کرتی ہے۔ آپؒ نے 606ھ/1209ء میں 63 سال کی عمر میں وفات پائی۔

امام رازی رحمہ اللہ کے تفردات:

امام رازی رحمہ اللہ کا مجتہدانہ مزاج ہے۔ جمہور کے مروجہ مؤقف سے ہٹ کر نیا مؤقف اختیار کرنے میں کوئی تامل محسوس نہیں کرتے۔ کہیں کہیں پر آیات کی تفسیر میں دوسرے مفسرین کرام کے تفسیری اقوال بھی ذکر کرتے ہیں جہاں جہاں پر مفسرین کرام سے اختلاف ہو وہاں انھوں اپنے متفردانہ مؤقف کا برملا اظہار کیا ہے۔ اس طرح ان کی تفسیر گویا سابقہ تفسیری سرمایہ پر ایک محاکمہ کا درجہ رکھتی ہے۔ سورۃ البقرہ کی آیات میں امام رازی رحمہ اللہ کے تفردات کی چند مثالیں:

1: وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ (35)

ترجمہ: " اور ہم نے کہہ دیا کہ اے آدم ! تم اور تمہاری بیوی بہشت میں رہو اور جہاں کہیں سے چاہو بافراعنت کھاؤ پیو ، لیکن اس درخت کے قریب بھی نہ جانا ورنہ ظالم ہو جاؤ گے "۔

سورۃ البقرہ کی اس آیت کی تفسیر میں امام رازیؒ نے اپنی تفسیر مفاتیح الغیب میں مختلف تفسیری اقوال نقل کئے ہیں۔ اور امکانی سوالات قائم کر کے اس کے جوابات تحریر کئے ہیں۔ اس آیت کے پس منظر میں حضرت آدم علیہ السلام کی زوجہ بی بی حوا کی پیدائش کا ذکر کیا ہے۔

امام صاحب نے حضرت آدم علیہ السلام کے عقیدے میں طعن کرتے ہوئے اس آیت کو پیش کیا۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا[11]

ان کے مطابق اس میں شک نہیں کہ نفس واحدہ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ اور جمہور علماء کے مطابق اس کی بیوی حوا ہے، جو اس سے پیدا کی گئی ہے۔ یہ سب کنایات ہیں جو ان دونوں کی طرف راجع ہیں۔[12]

جمہور مفسرین کے مطابق "ایک جان" سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور مِنْهَا زَوْجَهَا سے وہی "جان" حضرت آدم علیہ السلام مراد ہیں۔ یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے ان کی زوجہ بی بی حوا کو پیدا کیا۔ بی بی حوا حضرت آدم علیہ السلام سے کیسے پیدا ہوئیں اس میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ:

حواء خلقها من ضلع من أضلاعه القصرى[13]

بی بی حوا مرد (آدم علیہ السلام) کے بائیں پسلی سے پیدا ہوئیں۔ حدیث شریف میں بیان کیا گیا ہے:

إن المرأة خلقت من ضلع وإن أعوج شيء من الضلع رأسه وإن ذهبت تقيمه كسرته وإن تركته وفيه عوج

عورت کو پسلی سے پیدا کیا گیا ہے اور پسلی میں ٹیڑھا پن ہے اس کا اوپر والا حصہ ٹیڑھا ہے۔ اگر تو اس کے ٹیڑھے پن کو سیدھا کرنا چاہو، تو اسے توڑ بیٹھے گا اور اگر تو اس سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے تو کجی کے ساتھ ہی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔"[14] قتادہؒ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

خلقت المراة من الرجل ، فجعل نهمتها في الرجال ، وخلق الرجل من الأرض ، فجعل نهمته في

الأرض ، فاحبسوا نساءكم"[15]

مفسرین کرام اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے منقول رائے کی تائید کرتے ہیں۔ قرآن کی

آیت:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا

[16] الفاظ خَلَقَ مِنْهَا سے اسی رائے کی تائید ہوتی ہے کہ بی بی حوا کی تخلیق ایک ہی جان یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی۔[17]

امام رازی صاحب اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ ہم نہیں مانتے کہ "نفسِ واحدہ" سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔آیت میں اس طرف کوئی ادنیٰ اشارہ تک نہیں۔ یہاں پر امام رازی ابو مسلم[18] کے قول کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی جان سے ان کی بیوی کی تخلیق کی ہے۔" والمراد خلق من النوع الإنساني زوجة آدم والمقصود التنبيه على أنه تعالى جعل زوج آدم إنساناً مثله"ان کی رائے یہ ہے کہ جب بی بی حوا کو حضرت آدم علیہ السلام کی طرح پیدا کیا جانا ممکن ہے تو پھر پسلی سے پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں" فلما ثبت أنه تعالى قادر على خلق آدم من التراب كان قادرا أيضا على خلق حواء من التراب وإذا كان الأمر كذلك فأي فائدة في خلقها من ضلع من أضلاع آدم "[19] پھر فرماتے ہیں کہ یہ خطاب قریش[20] کو ہے۔ جو قصی[21] کی اولاد ہیں۔اس آیت کے معنی ہیں کہ ہم نے آپ کو قصی سے پیدا کیا اور اس کے لئے اس کے جنس سے عربی عورت بھی عطا کی تاکہ اس سے سکون حاصل کرے۔اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو ان کی خواہش کے مطابق نیک اولاد دی۔ تو انھوں نے ان کے شرکیہ نام رکھے ان کے نام عبد مناف[22] عبد العزیٰ[23] عبد الدار[24] اور عبد قصی[25] اور (يُشْرِكُونَ) میں ضمیر ان کے اور ان کی اولاد کی طرف راجح ہے۔یہی باوثوق اور معتمد جواب ہے۔[26]

مثال نمبر:2۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ (65)

ترجمہ: "اور بے شک تم ان لوگوں کو بھی جانتے ہو، جو تم میں سے ہفتے (کے دن مچھلی کا شکار کرنے) کے بارے میں حد سے بڑھ گئے۔اور ہم نے بھی کہہ دیا کہ تم ذلیل وخوار بندر بن جاؤ۔"

ایلہ[27] بنی اسرائیل کا شہر تھا جہاں وہ آباد تھے۔انہیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ ہفتے کے دن کو عبادت کے لئے مختص کر دیں اور اس دن مچھلیوں کے شکار سے پرہیز کریں اور دنیاوی کام اور مشاغل چھوڑ دیں۔" بنی اسرائیل کی ایک جماعت نے یہ تدبیر کی کہ ہ جمعہ کو جب شام کا وقت ہو جاتا، اس وقت دریا کے کناروں پر چھوٹے چھوٹے گڑھے کھودتے اور اب گڑھوں تک دریا سے نالیاں بناتے۔اس طرح ہفتہ کے دن ان نالیوں کے ذریعے پانی کے ساتھ مچھلیاں آکر ان گڑھوں میں گر جاتیں اور اسی میں رہ جاتیں۔یہ لوگ اتوار کے دن ان مچھلیوں کو پکڑ کر نکالتے اور لوگوں سے کہتے کہ ہم تو ہفتے کے دن مچھلیوں کا شکار نہیں کرتے، اس طرح وہ اپنے دلوں کو مطمئن کرتے۔ ایک رائے کے مطابق چالیس اور ایک رائے کے مطابق ستّر سال تک یہی عمل کرتے رہے۔ اور جب حضرت داؤد علیہ السلام کی نبوت کا زمانہ آیا تو آپ علیہ السلام نے انہیں اس طرح کرنے سے روکا۔ اور فرمایا کہ

مچھلیوں کو گڑھوں میں بند کرنا ہی شکار ہے۔ اور یہ عمل تم ہفتے کو ہی کرتے ہو۔ جب وہ اس طرح کرنے سے منع نہیں ہوئے تو داؤد علیہ السلام نے ان پر لعنت اللہ کی لعنت فرمائی۔ جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کی شکل وصورت کو بگاڑ دیا اور مسخ کیا۔ کچھ مفسرین کے مطابق نوجوانوں کو بندروں کی شکل وصورت میں اور بوڑھوں کو خنزیروں کی شکل وصورت میں مسخ کیا۔ ایسی صورت میں کہ ان کی عقلیں اور حواس تو کام کرتے تھے لیکن زبانیں بولنے سے قاصر تھیں۔ اور ان کے جسموں سے بدبو نکلتی تھی۔ وہ سب اپنے اس بد حالی پر فریاد کرتے رہے اور روتے رہے یہاں تک کہ تین دن گزرنے کے بعد سب مر دار ہو گئے۔ ان کی نسل ختم ہو گئی۔ ان لوگوں کی تعداد تقریباً ستّر ہزار تھی"۔[28]

ابن جریرؒ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے ان کی نافرمانی اور زیادتی کی وجہ سے ان کو بندر کی صورت میں مسخ

فرمایا۔ اور مسخ شدہ کبھی تین ایام سے زیادہ زندہ نہیں رہا (مسخ ہو جانے کے بعد) اس کے بعد نہ کھایا نہ پیا نہ ان کی نسل بڑھی۔[29] ابن ابی حاتم نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے:

"إِذَا كَانَ الَّذِينَ اعْتَدَوْا فِي السَّبْتِ فَجُعِلُوا قِرَدَةً فَوَاقًا، ثُمَّ هَلَكُوا مَا كَانَ لِلْمَسْخِ نَسْلٌ:

جب انہوں نے (بنی اسرائیل) نے ہفتے کے دن میں زیادتی کی وہ فوراً بندر بنا دیئے گئے تھے پھر ہلاک ہو گئے تھے پھر مسخ ہونے کے بعد ان کی نسل نہیں چلی"۔[30] عبد اللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے کہ " بعض لوگوں نے نبی کریم ﷺ سے اپنے زمانے کے بندروں اور خنزیروں کے بارے میں سوال کیا کہ کیا یہ یہودی وہی مسخ شدہ قوم ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ سبحانہ و تعالیٰ جب کسی قوم کی صورتوں کو مسخ کرتا ہے یا ان پر مسخ کا عذاب نازل کرتا ہے تو ان کی نسل آگے نہیں بڑھتی بلکہ ختم ہو جاتی ہے۔ اور پھر فرمایا کہ بندر اور خنزیر دنیا میں پہلے سے بھی موجود تھے۔ (اور اب بھی ہیں لیکن مسخ شدہ بندروں اور خنزیروں سے ان کا کوئی جوڑ نہیں۔[31]

امام رازی صاحب اس آیت کی تفسیر میں چند مسائل کا ذکر کر کے اس پر حجت پیش کرتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد

" كُونُوا قِرَدَةً "

امر نہیں، کیونکہ وہ خود تو بندروں کی شکل میں تبدیل کرنے پر قادر نہیں تھے۔ بلکہ اس سے مراد سرعۃ التکوین (جلدی ہو جانا) ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا:

إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ "

[32] اور جیسا کہ فرمایا:

قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ "[33]

مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جس پر عذاب نازل کرنے کا ارادہ فرمایا، وہ اس کو عاجز نہیں کر سکتے بلکہ جب فرمایا تو وہ اسی طرح بن گئے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا تھا۔

مجاہدؒ[34] سے روایت ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے ان کے دل مسخ کر دیئے یعنی ان پر مہر لگا دی نہ کہ صورتیں مسخ ہوئیں[35]" جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا "[36]

اس کی مثال یہ ہے کہ استاد اپنے اس نالائق شاگرد سے کہے تم گدھے بنو۔ امام رازیؒ نے صورتاً مسخ ہونے کے امتناع پر دو طرح کی حجت پیش کی ہے۔ ایک یہ کہ انسان اس ہیکل (شکل و صورت) کو کہتے ہیں جس کو دیکھ سکتے ہیں اور اس کا ڈھانچہ محسوس بھی ہو۔ جب اللہ تعالیٰ اس کو باطل کر کے ان اجسام میں بندر کی ترکیب اور صورت بنائے تو یہ ایسا ہے کہ انسان کو معدوم (فنا) کر کے بندر کو ایجاد کیا جائے۔ اس قول کے اعتبار سے حاصل یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان اعراض (اجسام) کو معدوم کیا جس اعتبار سے وہ انسان تھے اور ان میں وہ اعراض پیدا کئے جن کے اعتبار سے وہ بندر بن گئے۔ تو یہ تو اعدام (فنا کرنا) اور ایجاد ہوا۔ مسخ نہیں۔

اگر ہم اس بات کو مان لیں تو پھر ہم جس بندر اور کتے کو دیکھیں گے تو ہمیں شک ہوگا کہ وہ بھی کسی زمانے میں عاقل انسان تھا اور اس طرح یہ مشاہدات میں شک کا باعث ہوگا۔ امام رازی خود ہی ان شبہوں کے جواب میں فرماتے ہیں کہ انسان صرف اسی شکل و صورت میں پورا ہیکل نہیں اس لئے کہ انسان کی ہیئت بدلتی رہتی ہے کبھی دبلا پتلا اور کبھی موٹا تازہ ہوتا ہے پس اجزاء میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ ہیکل تغیر پذیر ہو اور یہی مسخ ہے۔

دوسرے شبہہ کے جواب میں فرماتے ہیں کہ انسان جب دلائل واضح ہونے کے باوجود اپنی جہالت پر مصر رہے تو اس کو عرفِ عام میں گدھا اور بندر کہا جاتا ہے۔ اور جب یہ مجاز مشہور اور ظاہر ہے تو اس کی طرف رجوع کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔

(قِرَدَةً خَاسِئِينَ) میں امام رازی نے دو امکانی سوالات اور اس کے جوابات ذکر کئے ہیں: پہلا سوال کہ: کوئی شخص جب بندر بن جائے تو اس میں فہم، عقل اور علم نہیں رہتا، اس لئے وہ نہیں جانتا کہ اس پر عذاب نازل ہوا۔ اور مجرد بندر ہونے سے کسی کو درد نہیں ہوتا۔ اسکی دلیل کہ جب بندر صحیح سالم ہوں تو انہیں کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ تو اس عذاب کا سبب کیا ہے؟ سوال کے جواب میں امام رازی خود ہی فرماتے ہیں کہ یہ کہنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ وہ امر جس سے انسان عاقل اور سمجھدار ہوتا ہے باقی تھا۔ اور جب ان کی صورت اور خلقت تبدیل ہوئی تو ضروری ہے کہ وہ انسانی افعال اور حرکات و سکنات پر قادر نہیں تھے۔ لیکن ان کو یہ علم تھا کہ گناہوں کی پاداش میں ان کو مسخ کیا گیا اور وہ خوف اور شرمندگی کی حالت میں تھے۔ تو یہ ہو سکتا ہے کہ ان کے اعضاء کی تبدیلی سے ان کو درد بھی ہوتا ہو۔ اور اصل بندروں کے جسم میں درد نہ ہونے سے یہ لازمی نہیں کہ انسانوں کو بھی تکلیف نہ ہو تو اس طرح عجیب صورت میں مسخ ہو گئے ہوں۔ دوسرا سوال کہ: یہ بندر باقی رہ گئے تھے یا اللہ نے انہیں فنا کیا؟ اگر ہم کہیں کہ باقی رہے تو پھر کیا ہمارے زمانے کے بندر ان ہی مسخ شدہ بندروں کی ہی نسل ہیں یا پھر نہیں۔ جواب میں امام رازی لکھتے ہیں کہ عقلاً یہ ممکن ہے۔ مگر حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق تین دن کے بعد مر گئے"۔[37] اس رائے میں امام رازیؒ متفرد ہیں۔ جمہور مفسرین کرام حضرت ابن عباسؓ کے قول کی تائید کرتے ہیں کہ بندر تین دن رہنے کے بعد مر گئے تھے۔"[38]

وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ (67) قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ عَوَانٌ بَيْنَ ذَلِكَ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ (68) قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا لَوْنُهَا قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ (69) قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ إِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللَّهُ

لَمُهْتَدُونَ (70) قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَا شِيَةَ فِيهَا قَالُوا الْآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ (71)

ترجمہ: "اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ ایک بیل ذبح کرو۔ وہ بولے کیا تم ہم سے ہنسی کرتے ہو؟ (موسیٰ نے) کہا میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ نادان بنوں۔ انھوں نے کہا کہ اپنے پروردگار سے التجا کیجیئے کہ وہ ہمیں بتائے کہ وہ بیل کس طرح کا ہو۔ (موسیٰ نے) کہا پروردگار فرماتا ہے کہ وہ بیل نہ تو بوڑھا ہو اور نہ بچھڑا بلکہ ان کے درمیان (یعنی جوان) ہو سو جیسا تم کو حکم دیا گیا ہے، ویسا کرو۔ انھوں نے کہا اپنے پروردگار سے درخواست کیجیئے کہ ہم کو یہ بتادے کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟ (موسیٰ نے) کہا پروردگار فرماتا ہے کہ اس کا رنگ گہرا زرد ہو کہ دیکھنے والوں (کے دل) خوش کر دے۔ انہوں نے کہا کہ (اب کے) اپنے پروردگار سے درخواست کیجیئے کہ ہم کو بتادے کہ وہ اور کس کس طرح کا ہو، کیونکہ بہت سے بیل ہمیں ایک دوسرے کے مشابہ معلوم ہوتے ہیں۔ پھر اللہ نے چاہا تو ہمیں ٹھیک بات معلوم ہو جائے گی۔ (موسیٰ نے) کہا پروردگار فرماتا ہے کہ وہ بیل کام میں لگا ہوا نہ ہو، نہ تو زمین جوتتا ہو اور نہ کھیتی کو پانی دیتا ہو۔ اس میں کسی طرح کا داغ نہ ہو۔ کہنے لگے اب تم نے سب باتیں درست بتادیں۔ غرض انھوں نے بیل کو ذبح کیا، اور وہ ایسا کرنے والے تھے نہیں۔"

بنی اسرائیل میں عامیل نامی شخص جو مالدار اور تونگر تھا۔ اسکی کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی۔ صرف ایک لڑکی اور بھتیجا تھا۔ بھتیجے نے چچا کی وراثت کی وصولی کے لئے چچا کو قتل کر ڈالا"۔ [39] اور اس کی لاش کو ایک عام راستے میں پھینک دیا۔ صبح ہوتے ہی واویلا شروع کیا اور موسیٰ علیہ اسلام سے شکایت کی اور قاتل کا مطالبہ کرنے لگا۔ موسیٰؑ نے قاتل معلوم کرنے کی کوشش کی لیکن معلوم نہ ہو سکا۔ بنی اسرائیل نے کہا کہ اس کے بارے میں ہمارے لئے اپنے پروردگار سے سوال کرو کہ وہ ہمیں اس بارے میں بتادے۔ موسیٰ علیہ اسلام کے سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی: إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً "انہوں نے اس پر تعجب کیا، پھر بار بار سوالات کرنے پر اپنے آپ کے لئے اور مشکل بنادیا، اور اس کی صفات معلوم کرنے کے لئے آخری حد تک چلے گئے۔ جب گائے کا تعین ہو گیا۔ تو وہ ایک معین شخص کے ساتھ مل گئی جس کی وہ زیادہ قیمت مانگتا تھا۔ انہوں اس گائے کو خریدا اور ذبح کیا۔ موسیٰ علیہ اسلام نے ان کو حکم دیا کہ اس سے کوئی عضو لے کر اس سے مقتول کو مارو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور مقتول نے زندہ ہو کر اپنا قاتل بتایا۔ قاتل وہی تھا جس نے موسیٰ علیہ اسلام سے قاتل کا مطالبہ کیا تھا۔ چنانچہ اسے قصاص میں قتل کیا گیا"۔ [40]

امام رازیؒ ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

1۔ درد پہنچانا اور ذبح کرنا اچھا کام ہے۔ ورنہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس کا حکم نہ دیتا۔ ہمارے ہاں (اہل سنّت) اس کے حسن کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک حقیقی ہے۔ اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔

2۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو کوئی بھی گائے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ اس کو واجب المخیر [41] کہا جاتا ہے۔ اس سے اختیاری واجب کی صحت معلوم ہوتی ہے۔

3۔ عموم کے قائل (جمہور علماء کرام) اس پر متفق ہیں کہ اس کا مطلب ہے کہ اپنی مرضی کی گائے ذبح کرو اور عموم کے منکر [42] (بعض علماء) کے مطابق یہ عموم پر دلالت نہیں کرتا۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ جو لوگ عموم کے قائل ہیں۔ انھوں یہ دلیل پیش کی کہ اگر وہ کوئی بھی گائے ذبح کرتے تو وہ اس طرح عہدہ براء ہو سکتے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ اس سے عموم ہی

مراد ہو۔ اس کے جواب میں امام رازی فرماتے ہیں کہ یہ تو پہلے مطلوب کی طرف پلٹتا ہے۔ اور یہ اس وقت ثابت ہوتا ہے کہ " تَذْبَحُوا بَقَرَةً " کا مفہوم یہ ہو کہ اپنی مرضی کے مطابق جو بھی گائے چاہتے ہو ذبح کر لو۔ اسی میں ہمارا اختلاف ہے۔ لوگوں نے فرمانِ الٰہی " اذْبَحُوا بَقَرَةً " میں اختلاف کیا ہے کہ یہ کسی معین گائے کو ذبح کرنے کا حکم تھا یا کسی بھی گائے کا؟

جو لوگ خطاب کے وقت کے بعد بیان کے تاخیر کے قائل ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک معین گائے کو ذبح کرنے کا حکم تھا۔ لیکن اس کی وضاحت نہیں کی گئی۔ اور جو لوگ اس کے منکر ہیں، ان کا کہنا ہے کہ اگرچہ یہ کسی بھی گائے کو ذبح کرنے کا حکم تھا۔ مگر جب قوم نے اس وقت حکم کی تبدیلی کا مطالبہ کیا تو ایسا ہوا۔ یہ اس لئے کہ اگر وہ پہلے امر پر عمل کر لیتے تو یہ ان کے لئے کافی تھا۔ اور یہ اختیار ان کو فقط گائے کے انتخاب میں دیا گیا تھا۔ اور اس میں مصلحت تھی۔ جب انھوں نے نافرمانی کر کے حکم کی تعمیل نہیں کی۔ اور پھر وہی سوال دھرایا تو مصلحت کے تغیر میں بھی کوئی ممانعت نہیں تھی۔ اور یہ بات مشاہدات سے معلوم ہوتی ہے کہ جب ایک شخص اپنے بچے کے لئے کوئی تدبیر سوچتا ہے تو پہلے آسان چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ اور اگر بچہ اس سے اعراض کرے تو باپ مصلحت کی خاطر سخت حکم بھی دیتا ہے۔ ادھر بھی یہی حالت ہے۔

" قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا " ، " إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ " اور " إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا ذَلُولٌ "

کا مطلب اس طرف منصرف ہیں۔ جس کے ذبح کرنے کا پہلے ان کو حکم دیا گیا تھا۔ یہ کنایات دلالت کرتی ہیں کہ مامور بہ عام گائے کا ذبح کرنا نہیں تھا بلکہ خاص گائے کو ذبح کرنا تھا۔

دوسرے فریق (خطاب کے وقت کے بعد بیان کے تاخیر کے منکرین) نے مندرجہ ذیل طریقوں سے استدلال کیا ہے:

1۔ " إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً "

کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے جو گائے بھی ہو۔ اس سے عموم معلوم ہوتا ہے اور یہ اس بات کا متقاضی ہے کہ صفات کو ملحوظ رکھنے کا حکم اس کے بعد کا حکم تھا۔

2۔ اس سے مراد اگر مخصوص گائے کا ذبح کرنا تھا تو ان پر وضاحت طلب کرنے پر سختی نہ کی جاتی بلکہ وہ تعریف کے مستحق ہوتے۔ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں

" فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ " اور " فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ "

میں جھڑکا اور سختی کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ اس حکم کی بجاآوری میں کوتاہی کر رہے تھے۔ اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب ان کو پہلے سے کسی معین گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہو۔

3۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "اگر وہ کوئی بھی گائے ذبح کرتے تو وہ ان کی طرف کافی ہوتا لیکن جب انھوں نے خود اپنے لئے مشکل چاہی تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے بھی ان کے لئے مزید مشکل پیدا کی اور ان پر سختی کی"۔[43]

امام رازی جواب میں فرماتے ہیں کہ

" إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً"

سے معلوم نہیں ہوتا کہ کسی بھی گائے کو ذبح کرنا مطلوب تھا۔ دوسرے کا جواب یہ ہے کہ

" وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ "

سے معلوم نہیں ہوتا کہ انھوں نے قصے کی ابتداء میں سستی کی۔ اور وہ پوری وضاحت جاننے کے باوجود بھی کوتاہی کرنے والے تھے۔ لفظ میں دونوں کا احتمال موجود ہے۔ اس لئے ہم اسے دوسری صورت پر محمول کرتے ہیں اور وہ یہ کہ انھوں نے پوری وضاحت جاننے کے بعد بھی توقف کیا تو اس پر عمل کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ تیسرے کے جواب میں فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت خبر واحد [43] ہے اور اگر ہم اس کو صحیح مان لیں تب بھی یہ کتاب اللہ کا معارضہ نہیں کر سکتی۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ اگر ہم اس پر بحث کریں کہ ان کو کوئی بھی گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا تو پھر ضروری ہے کہ ہم یہ کہیں کہ اوامر بھی ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ مثال کے طور پر پہلے ان کو یہ حکم ملا کہ گائے ذبح کرو، پھر یہ حکم ملا کہ نہ وہ بڑھیا ہو اور نہ چھوٹی بلکہ درمیانی عمر کی ہو۔ جب انھوں نے یہ کام نہیں کیا تو پھر انہیں حکم ملا کہ زرد رنگ ہو۔ جب پھر بھی حکم کی تعمیل نہیں کی تو حکم ملا کہ زمین جوتنے والی اور کھیتوں کو پانی پلانے والی نہ ہو۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ "قوم نے یہ بات اس لئے کی کہ جب انھوں نے موسیٰ علیہ السلام سے قاتل کا مطالبہ کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں گائے ذبح کرنے کا کہا۔

سوال و جواب کے درمیان مناسبت ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اس لئے انھوں نے گمان کیا کہ موسیٰ علیہ السلام ان کے ساتھ مذاق کر رہے ہیں۔ انہیں اس بات کا اندیشہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو گائے ذبح کرنے کا تو حکم دیا مگر یہ نہیں بتایا کہ جب تم اس گائے کو ذبح کر کے اس کے کسی حصے کو مقتول کو مارو گے، تو وہ زندہ ہو جائے گا۔ اسلئے انھوں اس کو مذاق سمجھا۔ اور یہ احتمال بھی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان کو یہ کیفیت بھی بتادی لیکن وہ اس پر حیران رہ گئے کہ اس طرح کرنے سے مقتول کیسے زندہ ہو گا؟ اور انھوں نے اس کو مذاق کا قائم مقام سمجھا۔ یہ نہیں کہ انھوں نے واقعی یہ الزام لگایا تھا۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ ارشاد الٰہی "
إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً "

اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کہ ایک معین گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا، جو خود تو متعین تھی لیکن اس کے تعین کی وضاحت نہیں کی گئی تھی۔ ان کے سوالات اس لئے قابل تحسین تھے کہ جس چیز کا انہیں حکم دیا گیا تھا وہ مجمل تھا۔ اس لئے اس کے بارے میں پوچھ گچھ اور معلومات حاصل کرنا تھا"۔[44] ابتدائی خطاب سے عموم معلوم ہوتا تھا لیکن قوم نے احتیاط کے طور پر مزید وضاحت طلب کی اور تمام احتمالات کے ازالے کے لئے یہ سوالات اٹھائے"۔[45] یہاں پر امام رازی نے جمہور علماء کے برعکس ان کے سوالات کو "استہزاء" کی بجائے قابل تحسین قرار دیا ہے۔ اور تفرد کی راہ اختیار کی ہے۔

خلاصۂ بحث:

امام رازیؒ کی تفسیر "مفاتیح الغیب" (تفسیر کبیر) مسلم دنیا کی تفاسیر کی تاریخ میں ایک عدیم المثال اور منفرد تفسیر ہے۔ ان کی تفسیر کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ امام رازیؒ ایک بلند پایہ عالم تھے۔ مسلمانوں کے مابین پیدا ہونے والے فقہی مسائل و آراء اور ان کی مذہبی و عقلی بنیادوں کا باریک بینی سے مشاہدہ کر رہے تھے۔ اور مسلمانوں کے درمیان یونانی فلسفہ کے اثرات سے پیدا ہونے والے مختلف مسائل اور ان پر اعتراضات سے بھی بخوبی آگاہ تھے۔ انھوں نے اپنی تفسیر میں اقوال کے جمع کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ دلائل کے ساتھ بعض اقوال کو ترجیح دینے کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ تمام محاسن اور خصوصیات کے باوجود ان کی

تفسیر نقائص سے خالی نہیں۔امام صاحب نے اپنی تفسیر میں متعدد مضامین کو مکرر کے طور پر بیان کیا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ عقائد کے ضمن میں ایک ایک مسئلے کو پورے شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ بعض مواقع پر یہ طوالت اصل موضوع سے ہٹنے اور قاری کی عدم دلچسپی کا باعث بن جاتی ہے۔ امام صاحب اس قول کو راجح قرار دیتے ہیں جو خلاف عقل نہ ہو۔اپنے مسلک کی تائید میں مبالغہ سے کام لیا ہے۔اور کچھ آیات کی تفسیر میں انھوں نے جمہور علماء سے متفردانہ انداز اپنایا ہے۔ پوری تفسیر کبیر سے امام رازی کے تفردات پر تھیسز لکھا جا سکتا ہے۔ تفسیر کے بعض ماہرین کے مطابق اس کی وجہ سے تفسیر کا حسن متاثر ہوا ہے ، تفسیر کے علمی رتبے میں کمی آئی اور اسے مستند کے رتبے سے نیچے گرا دیا۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حواشی و حوالہ جات

1۔ ابن منظور، محمد بن مکرم بن علی، لسان العرب، الناشر: دار صادر، بیروت، 1414ھ/1995ء، ج3، ص494، (مادہ شذذ)۔

فیروزآبادی، مجد الدین محمد بن یعقوب ،القاموس المحیط، تحقیق: محمد نعیم العرقسُوسی، الناشر: مؤسسۃ الرسالہ، بیروت ،لبنان، 1426ھ/2005ء ج1، ص494، (فصل السین)

2۔ غزالی، ابو محمد، محمد بن محمد، احیاء علوم الدین، الناشر: دارالمعرفہ، بیروت، ج2، ص141، 1432ھ/2011ء۔

3۔ الآمدی، ابوالحسن سید الدین علی بن ابی علی، الاحکام فی اصول الاحکام، تحقیق: حسن محمود عبد الطیف، الناشر: مجلس اعلیٰ الاسلامیہ، قاہرہ، ج1، ص91، سن طباعت نامعلوم۔

4۔ ڈاکٹر احمد مختار، عبد الحمید عمر، معجم اللغۃ العربیہ المعاصرہ، الناشر: عالم الکتب، ج1، ص1686، 1429ھ/2008ء، (مادہ ف، ر، د)،

فیروزآبادی، القاموس المحیط، ج1، ص334، (فصل الشین)

5۔ المعجم الوسیط ، الناشر: بمجمع اللغۃ العربیہ، قاہرہ، طباعت دوم: دارالفکر، بیروت، ج2، ص679، 1494ھ/1987ء، ابن منظور، لسان العرب، ج3، ص331، (مادہ فرد)

6۔ https://forum.mohaddis.com علامہ طاہر اسلام، 16 ستمبر، 2014،

ابن عابدین، محمد بن عمر، ردالمختار علی الدرالمختار، دارالفکر، بیروت، ج1، ص190، 1412ھ/1992ء۔ 7۔

8۔ شاہ ولی اللہ، احمد بن عبد الرحیم، حجۃ اللہ البالغہ، تحقیق: السید سابق، الناشر: دار الجیل، بیروت، لبنان، ص267، 1426ھ/2005ء۔

9۔ ڈاکٹر مظہری، محمد وارث، شاہ ولی اللہ کے کلامی تفردات، ایک تجزیاتی مطالعہ (1)، ماہنامہ الشریعہ، ج34، شمارہ 4۔ 1 پریل 2023

Alsharia.org/2023/april

10۔ علامہ یوسف بنوری، دارالافتاء، کراچی، پاکستان، 1446ھ/2024ء۔

Banuri.edu.pk

11۔الاعراف:189

12۔امام رازی، فخر الدین محمد بن عمر، مفاتیح الغیب، دار النشر: دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج3، ص10، 1421ھ/2000ء۔

13۔ابن عباس، عبد اللہ ابن عباس، تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، سورۃالنساء:1، ص478، سن طباعت نامعلوم

14۔البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح (صحیح البخاری)، تحقیق: محمد زھیر بن ناصر، الناشر: دار طوق النجاۃ، 1422ھ/2003م، کتاب الانبیاء، باب قولہ تعالیٰ۔۔۔،رقم: 3513،امام مسلم، مسلم بن الحجاج القشیری، الجامع الصحیح (صحیح مسلم)، تحقیق: محمد فؤاد عبدالباقی، الناشر: دار احیاء التراث العربی، بیروت، سن نامعلوم۔کتاب الرضاع،رقم: 1468،178۔

15۔ابن ابی حاتم، عبد الرحمٰن بن محمد، تفسیر القرآن العظیم (تفسیر ابن ابی حاتم)،النساء،ج4،ص150،رقم: 4718،مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، سعودیہ،1419ھ/1998م۔

16۔النساء:1۔

17۔السیوطی، عبد الرحمٰن بن ابی بکر، تفسیر الدر المنثور فی تفسیر الماثور، النساء:1، ج1، ص120،دار الفکر،بیروت،سن نامعلوم؛ ابن کثیر، ابو الفداء اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، تحقیق: سامی بن محمد سلامہ، النساء:1، ج2،ص428،دار طیبہ للنشر والتوزیع، 1420ھ/1998م ؛البیضاوی،ناصر الدین عبد اللہ بن عمر، انوار التنزیل و اسرار التأویل(تفسیر البیضاوی)، النساء:1،ج1،ص369،دار احیاء التراث العربی، بیروت، 1418ھ/1997م؛ الزمخشری، محمود بن عمر، تفسیر الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل وعیون الأقاویل فی وجوہ التأویل، المعروف بالکشاف، النساء:1، ج1،ص369،دارالکتاب العربی، بیروت، 1407ھ/1987م۔

18۔ ابو مسلم الأصفہانی (254-322ھ/868-934م)

محمد بن بحر الاصفہانی مسلکاً معتزلی اور تفسیر کے عالم تھے تفسیر اور دوسرے علوم میں ماہر ہونے کے علاوہ اصفہان اور فارس کے حاکم بھی رہے۔آپ کی مشہور تصنیف "جامع التاویل" ہے۔اس کی چار جلدیں ہیں۔آپ کی دوسری مشہور تصانیف الناسخ والمنسوخ،اور کتاب النحو وغیرہ ہیں۔

دیکھئے: یاقوت الحموی، یاقوت بن عبد اللہ، معجم الأدباء ارشاد الأریب الی معرفۃ الأدیب،ج 6 ، ص2437 ، رقم:1008،دار الغرب الاسلامی، بیروت،1414ھ/1993م۔؛الزرکلی، خیر الدین،الأعلام،ج 6 ، ص 50،دار العلم للملایین، بیروت، لبنان، 1422ھ /2001م۔

19۔الرازی، مفاتیح الغیب،البقرہ: 35،ج3،ص14۔

20۔قریش: عرب کا مشہور قبیلہ جو کہ عدنانی عرب اسماعیلؑ کی اولاد پر مشتمل ہے فہر کا لقب قریش تھا سلسلہ نسب: قریش فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن سعد بن عدنان۔فہر بن مالک نے اپنے استیلاء و قوت کے اظہار کے لئے یہ لقب اختیار کیا اور اسی بناپر ان کی نسل نے "قریش" اپنا خاندانی علم قرار دیا۔بیت اللہ کے متولی اور حجاج کو پانی پلانے اور خدمت کی وجہ سے انہیں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔اسی لئے شاہراہوں پر ان کے تجارتی قافلے محفوظ تھے۔قریش کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ قریش ایک بحری جانور کا نام ہے جو اپنی قوّت کی وجہ سے سب جانوروں پر غالب رہتا ہے اور جس جانور کو چاہتا ہے کھالیتا ہے مگر اس کو کوئی نہیں کھا سکتا۔اسی طرح قریش بھی اپنی شجاعت اور بہادری کی وجہ سے سب پر غالب رہتے ہیں کسی سے مغلوب نہیں ہوتے اسی لیے قریش کے نام سے موسوم ہوئے۔

دیکھئے: عمر رضا کحالہ، معجم قبائل العرب، ج3، ص948، الناشر، سن طباعت نا معلوم؛ ابو علی، محمد علی بن احمد، جمہرۃ الانساب العرب، ج1، ص11، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، 1422ھ/2003م۔ الزرقانی، محمد بن عبد الباقی، شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ، ج1، ص61، الناشر،
دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1417ھ/1996م،

21۔ قصی بن کلاب بن مرۃ: چوتھے پشت میں نبی کریم ﷺ کے جد تھے۔ (محمد بن عبد اللہ بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی) شام میں تربیت پائی۔ (قصی کے والد کا انتقال ہو گیا تھا۔ اسکی والدہ نے شام کے ایک شخص ربیعہ بن حرام سے نکاح کیا۔ اور قصی کو اپنے ساتھ شام لے گئیں) وہی سے حکومت کا نظم و نسق اور تہذیب سیکھ کر حجاز آئے۔ اس وقت مکہ کے والی حلیل بن حبشیہ تھے۔ قصی نے ان کی بیٹی سے نکاح کیا۔ حلیل کے انتقال کے بعد بیت اللہ کی تولیت کے لئے بنو خزاعہ اور قریش کے درمیان جنگ ہوئی جس کے نتیجے میں بیت اللہ پر قصی کا اقتدار قائم ہو گیا۔ قصی نے قریش کے متفرد قبیلوں کو حرم شریف میں اکھٹا کر کے سب کو متحد کیا۔ اور ایک جمہوری ریاست کی بنیاد ڈالی۔ ان کے چار بیٹے تھے جن کے نام: عبد مناف، عبد الدار، عبد العزیٰ اور عبد قصی تھے۔

دیکھئے: ڈاکٹر جواد علی، المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، ج7، ص50، دار ساقی، بیروت، لبنان، 1327ھ/1947م؛ البغدادی، محمد بن حبیب، المنمق فی اخبار قریش، تحقیق: خورشید احمد فاروق، ج1، ص32، عالم الکتب، بیروت، لبنان، 1405ھ/1985م۔

22۔ عبد مناف: قصی کی وفات کے بعد ان کے بیٹے عبد مناف نے ان کی جگہ لی۔ قصی کی زندگی ہی میں شرف و سیادت کے مقام پر پہنچ گیا تھا۔ اس کا سلوک قریش کے ساتھ اچھا نہیں تھا۔ اس نے قریش سے وہ سارا خراج دوبارہ وصول کرنا شروع کیا جو اس کے والد نے منقطع کیا تھا۔ عبد مناف کے چار بیٹے ہاشم، نوفل، مطلب اور عبد شمس تھے۔ قصی نے اپنے سارے مناصب اور عہدوں کی ذمہ داری عبد الدار کو سونپی تھی۔ عبد مناف کے بعد ان کی اولاد نے بنو عبد الدار سے بیت اللہ سے متعلق اعزازات اپنے قبضے میں لینے کی کوشش کی۔ بنو عبد الدار نے انکار کیا۔ جس کی وجہ سے ان کا غلبہ کمزور ہو گیا۔ اور اس طرح قریش کا زور ٹوٹ گیا۔ بالآخر دونوں کے درمیان کچھ شرائط پر صلح ہوئی، جس کے مطابق رفادہ (حاجیوں کی میزبانی اور بیت اللہ کی عمارت کے لئے قریش سے وصول کیا جانے والا خراج) اور سقایہ (حاجیوں کو پانی پلانا) عبد مناف کے حصے میں آیا۔ اور حجابہ (خانہ کعبہ کی خدمت اور کلید برداری کھولنا اور بند کرنا) ندوہ (مشورہ) اور لواء (خانہ کعبہ پر غلاف ڈالنے کی ذمہ داری) عبد الدار کے حصے میں آیا۔

دیکھئے: ابو العباس، احمد بن خطیب، وسیلۃ الاسلام بالنبی علیہ الصلوۃ والسلام، ج1، ص 37، دار الغرب الاسلامی، بیروت، لبنان، 1404ھ/1984م؛ البغدادی، المنمق فی اخبار قریش، ج1، ص33۔

23۔ عبد العزیٰ: قصی بن کلاب کا بیٹا تھا۔ بیٹے کا نام اسد اور بیٹی کا نام عاتکہ تھا۔ ان کے بیٹے اسد کی اولاد کے سلسلے کو بنو اسد کہا جاتا ہے۔ ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ اور حوری رسول اللہ زبیر بن العوام کا تعلق اسی قبیلے سے تھا۔

دیکھئے: ابو علی، جمہرۃ الانساب العرب، ج1، ص117؛ الزبیری، مصعب بن عبد اللہ، نسب قریش، ج1، ص20، دار المعارف، قاہرہ، مصر، سن طباعت نا معلوم۔

24۔ عبد الدار: قصی بن کلاب کا بڑا بیٹا تھا۔ قصی نے اپنے سارے مناصب اور اعزازات کی وصیت عبد الدار کے لئے کر دی۔ دار الندوہ کی ریاست، خانہ کعبہ کی حجابت، لواء، سقایت، اور رفادہ جیسے اہم مناصب عبد الدار کو دیئے۔ حجابت، اور لواء کے مناصب آج بھی بنو عبد الدار کے ذمے ہیں۔ فتح مکہ کے دن آپ ﷺ نے خانہ کعبہ کی چابیاں لے کر ان ہی کو (عثمان بن طلحہ) واپس کر دی تھی۔

دیکھئے: البغدادی، المنمق فی اخبار قریش، ج1، ص32؛ الزبیری، نسب قریش، ج1، ص250۔

25۔ عبد قصی: قصی بن کلاب کا بیٹا تھا۔ اس کے بیٹے کا نام عبد بن قصی تھا، جن کی نسل میں وھب، منھب، بجیر اور طلیب آئے۔ بجیر کی

بیٹی ہند، ابو قحافہ کی بیوی تھی اور ابو بکر صدیقؓ کی سوتیلی ماں تھی۔
دیکھئے: ڈاکٹر جواد علی، المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، ج1، ص32؛ ابن اثیر، عز الدین علی بن محمد، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج3، ص455، دار الفکر، بیروت، 1409ھ/1989م۔

26۔ امام رازی، مفاتیح الغیب، البقرہ، ج3، ص11۔

27۔ 1یلہ: اصل نام ایلیاء ہے۔ ابوزید کے مطابق ایک چھوٹا شہر، جہاں پر یہودیوں کو ہفتے کے دن مچھلیوں کے شکار پر پابندی لگائی گئی تھی۔ یونان کے جنوبی ساحل پر واقع ہے۔
دیکھئے: یاقوت الحموی، معجم الأدباء، ج1، ص202۔

28۔ دیکھئے: آلوسی، شہاب الدین محمد بن عبداللہ، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، البقرہ: 65، ج1، ص352، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1515ھ/1995م؛ البیضاوی، البقرہ: 65، ج1، ص337۔

29۔ السیوطی، تفسیر الدر المنثور، البقرہ: 65، ج1، ص352۔

30۔ ابن ابی حاتم، البقرہ: 65، ج1، ص174، رقم: 669۔

31۔ امام مسلم، صحیح مسلم، روایت عبداللہ ابن مسعودؓ، ج8، ص56، رقم: 56

32۔ النحل: 40۔

33۔ فصلت: 11۔

34۔ مجاہدؒ (21-104ھ/642-722م)A
ابو الحجاج مجاہد بن جبر المکی، الاسود، السائب بن ابی السائب المخزومی کے آزاد کردہ غلام تھے۔ تابعی اور قرات اور تفسیر کے امام ہیں۔ عبداللہ بن عباس، ابو ہریرہ، سعد بن ابی وقاص اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم سے علم حاصل کیا۔ آپ سے عکرمہ، طاؤوس، عطاء، عمرو بن دینار، قتادہ رحمہم اللہ وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ سفیان ثوریؒ نے کہا ان چار لوگوں سے تفسیر کا علم حاصل کرو: مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ، اور ضحاک۔
یحیٰی بن معین اور علماء کی ایک بڑی جماعت نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے۔ آپ کی تاریخ وفات (100ھ یا 104ھ) میں اختلاف ہے۔
دیکھئے: الذہبی، محمد بن احمد، سیر اعلام النبلاء، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، 1405ھ/1985م، ج4، ص449، رقم: 175؛ الذہبی، محمد بن احمد، تذکرۃ الحفاظ، الناشر: دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، 1419ھ/1998م، ج1، ص71، رقم: 83؛ الزرکلی، خیر الدین، الأعلام، دار العلم للملایین، بیروت، لبنان، 1422ھ/2001م، ج5، ص278۔

35۔ السیوطی، الدر المنثور، البقرہ: 65، ج1، ص176؛ ابن ابی حاتم، البقرہ: 65، ج1، ص112، رقم: 672؛ ابن جریر، الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر، جامع البیان فی تأویل القرآن، تحقیق: احمد محمد شاکر، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، 1420ھ/1999م، ج2، ص173؛ البیضاوی، البقرہ: 65، ص337۔

36۔ الجمعہ: 5۔

37۔ تفسیر ابن ابی حاتم، البقرہ: 65، ج1، ص74، رقم: 669؛ آلوسی، روح المعانی، البقرہ: 65، ج9، ص93۔

38۔ تفسیر مفاتیح الغیب، البقرہ: 65، ج3، ص103،104۔

39۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ زن، زر اور زمین، قتل وغارت اور مفاسد کے سرچشمے ہیں۔

40۔ تفسیر البیضاوی، البقرہ: 65، ج1، ص340؛ المظہری، محمد ثناء اللہ، تفسیر المظہری، دار احیاء التراث العربی، بیروت، 1412ھ/1990م، ج1، ص82۔

41۔ فعل کے اعتبار سے واجب کی دو قسمیں ہیں۔ معین اور مخیرّ۔ معین: اگر کوئی فعل متعین کر کے کہا جائے کہ اسے ادا کرو تو اسے معین

کہتے ہیں۔ مثلاً نماز، روزہ اور حض وغیرہ، مخیّر: اگر چند ایک کام کر بتا کر کہا جائے کہ ان میں سے کوئی ایک کرو تو یہ کفایت ہو جائے گا۔ اسے مخیّر یا مبہم کہتے ہیں۔ جیسا کہ قسم کا کفارہ غلام آزاد کرنا، کھانا کھلانا یا روزہ رکھنا، ان میں سے کوئی بھی ایک کام کر سکتے ہیں۔ ان میں سے صرف ایک کام کرنا واجب ہے نہ کہ سارے۔ دیکھئے: ابن امام الکاملیہ، کمال الدین محمد بن محمد، تیسیر الوصول الی منھاج الاصول، تحقیق: ڈاکٹر عبدالفتاح احمد، دار الفاروق الحدیثیہ، قاہرہ، 1423ھ/2002م، ج4، ص123۔

42۔ مثلاً الآمدی، بیضاوی، ابن الحاجب، اور امام رازی۔ دیکھئے: الرازی، فخر الدین محمد بن عمر، المحصول فی علم الاصول، تحقیق: ڈاکٹر طہ جابر فیاض، مؤسسۃ الرسالہ، 1418ھ/1997م، ج3، ص189۔

43۔ ابن عباسؓ کی یہ روایت سعید بن جبیر کے طریق سے صحیح ہے۔ البتہ اس کی دوسری سند سرور بن المغیرہ عن منصور بن ذاذان عن عباد بن منصور عن الحسنعن ابی رافع عن ابی ھریرہ ہے۔ اس سند کے ساتھ یہ روایت ضعیف ہے۔ سند میں سرور بن المغیرہ اور عباد بن منصور ضعیف راوی ہیں۔ کیونکہ عباد بن منصور پر تدلیس، سوء حفظ اور قدریہ کا ہم خیال ہونے کا شبہ ہے۔ دیکھئے: ابن الجوزی، جمال الدین ابو الفرج، الضعفاء والمتروکین، تحقیق: عبد اللہ قاضی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1406ھ/ 1985م، ج2، ص76؛ السیوطی، جلال الدین، اسماء المدلسین، دار الجیل، بیروت، لبنان، سن طباعت نامعلوم، ج1، ص64۔

44۔ خبر واحد وہ حدیث جسے ایک شخص روایت کرے۔ اس کی جمع آحاد ہے۔ اس میں متواتر کی شرطیں نہ ہوں۔ اپنے عدد طرق (سندوں کی تعداد) کی نسبت کے اعتبار سے خبر آحاد کی تین قسمیں ہیں۔ مشہور، عزیز اور غریب۔

دیکھئے: ابن حجر، احمد بن علی بن محمد، نزھۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر، تحقیق: نور الدین عتر، مطبعۃ الصباح، دمشق، 1421ھ/2000م، ص50۔

45۔ الرازی، مفاتیح الغیب، البقرہ: 67، ج3، ص109۔